کو لبیک کہا۔ اور پورے سرکاری اعزاز و احترام کے ساتھ دلی میں جو ملّت کے ہزاروں آفتاب و ماہتاب کا آخری مسکن ہے سپردِ خاک کر دیئے گئے۔ ان کے انتقال کے بعد سابق صدر جمہوریۂ ہند آں جہانی ڈاکٹر راجندر پرشاد نے صحیح کہا تھا کہ مولانا کی ذات ملک کی نصف صدی کی تاریخ تھی اور آج ان کی مُردہ لاش کو سرزمین دِلی میں دفن نہیں کیا جا رہا ہے۔ بلکہ پورے پچاس سال کی تہذیب و تاریخ ان کے ساتھ مدفون ہو رہی ہے۔

بساطِ فکر و فن اور میدانِ علم و ادب میں جہاں سے دوسرے لوگ سفر شروع کرتے ہیں مولانا اس کم عمری میں اس منزل پر پہنچ کر پھولوں کے کانٹے چن رہے تھے ۱۴ برس کی عمر میں وہ سپہر علم و ادب پر ایک تارہ بن کر چمکے اور دیکھتے دیکھتے چند ہی سالوں کی قلیل مدت میں ایک روشن آفتاب بن کر سرزمین ہند پر ضوفشانی کرنے لگے ان کے قلم کی جولانی نے خانقاہوں سے لے کر بڑی بڑی علمی درسگاہوں تک اور ایوانِ حکومت سے لے کر بڑے بڑے سیاسی اداروں تک کو چونکا دیا ملک کی علمی ادبی اور سیاسی شخصیتوں کی نگاہیں ان کی طرف مرکوز ہونے لگیں اور پہلے ہی دن پورے ملک نے ان کا لوہا مان لیا۔

مولانا نے ادب و صحافت سے اپنی زندگی کا سفر شروع کیا تھا ۱۹۱۲ء میں سب سے پہلے کلکتہ سے انھوں نے ہفتہ وار الہلال نکالا وہ ایک شعلۂ جوالا تھا۔ جس نے لاکھوں تیرہ و سرد دلوں کو روشنی اور گرمی پہنچائی۔ اس وقت ملک کی عظیم شخصیت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ ہم لوگ اب تک خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے تھے الہلال نے ہمیں بیدار کر دیا۔ مگر حکومت برطانیہ کی نظر بد سے وہ محفوظ نہیں رہ سکا۔ اور دو سال کے بعد بند ہو گیا۔ پھر البلاغ کے نام سے مولانا نے دوسرا جریدہ نکالا اس کی زندگی بھی بہت مختصر ثابت ہوئی اور پھر جلا وطنی اور نظربندی کے ناخوشگوار حادثات پیش آنے لگے۔ مولانا کی عمر کا ساتواں حصہ جیل کی چہار دیواریوں میں گذرا ہے:۔

مولانا آزادؒ نے اُردو زبان کو ایک ایسا اسلوب ایک ایسا لب و لہجہ ایک ایسا اندازِ بیان

اور ایک ایسی طرزِ نگارش عطا کی کہ اُردو میں انتہائی بلاغت، جلالت و جبروت، عظمت و تا اور سلاست و دل نشینی پیدا ہو گئی، اس وقت ادب و صحافت کا کارواں جن راہوں سے گذر رہا تھا مولانا کے اسلوبِ نگارش کو دیکھ کر سہما ٹھہرا اور آگے بڑھنے سے اپنے قدم کو روک لیا۔ اور الہلال والبلاغ کی طرزِ نگارش اور روش پر نگاہیں مرکوز کر دیں اس وقت کا شاید ہی کوئی ادیب کوئی صحافی اور کوئی ایسا نثار ہوگا جس نے الہلال کی طرزِ تحریر سے متاثر ہو کر اسے اپنانے کی کوشش نہ کی ہو۔ اس طرح "مولانا ابوالکلام آزاد" نے اُردو ادب کی جو خدمت انجام دی تاریخ ادب کے صفحات پر زرّیں حرفوں سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

مولانا آزادؒ صرف ایک اونچے درجے کے ادیب اور سیاست داں ہی نہ تھے بلکہ اپنے دور کے بہت بڑے ایک جیّد عالم اور عبقری ذہن رکھنے والے ایک مفکرِ اسلام بھی تھے۔ اسلامی علوم پر انھیں گہری بصیرت تھی دیگر علوم و فنون کے گہرے مطالعے کے ساتھ ساتھ خود اُن کے قول کے مطابق عربی، فارسی اور اُردو میں جتنی قدیم و جدید تفاسیر ہیں وہ تمام قرآن کی نظر سے گذر چکے تھے۔

مولانا کے دل میں ترجمہ و تفسیر کا ایک داعیہ پیدا ہوا اور ۱۹۱۶ء میں البلاغ کے صفحات پر ترجمان القرآن اور تفسیر البیان کا اعلان کر دیا گیا ترجمہ اور تفسیر کا کام انھوں نے ۱۹۱۹ء میں شروع کر دیا تھا حالات اگر سازگار ہوتے تو جس تیزی سے کام ہو رہا تھا دو سال کی مدت اس کی تکمیل کے لئے کافی تھی مگر جلاوطنی، نظربندی اور قید و بند کی صعوبتوں نے اس کا موقع نہیں دیا اور یہ کام دو سال کے بجائے ۱۵ سال کی مدت یعنی ۱۹۳۰ء میں پورا ہوا۔ چوں کہ سیاسی زندگی کی شورشیں اور علمی زندگی کی جمعیتیں ایک زندگی میں بڑی مشکل سے جمع ہوتی ہیں مولانا نے ان دونوں کو ایک زندگی میں سمونے کی کوشش کی اور بحمداللہ وہ بہت حد تک کامیاب رہے اگرچہ دو سال کا کام پندرہ سال میں پورا ہوا۔

قرآنِ کریم کی جن آیتوں کے تراجم اوپر پیش کئے جا چکے ہیں انھیں تین آیتوں کا ترجمہ مولانا

کے قلم سے پیش کیا جا رہا ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهٖ الخ

اور (پھر وہ وقت) جب موسیٰ (کتاب الہی کا عطیہ لے کر پہاڑ سے اُترا تھا اور تمھیں ایک بچھڑے کی پوجا میں سرگرم دیکھ کر) پکار اُٹھا تھا۔ اے میری قوم! (افسوس تمھاری حق فراموشی پر) تم نے بچھڑے کی پوجا کر کے خود اپنے ہاتھوں اپنے کو تباہ کر دیا ہے پس چاہیئے کہ اپنے خالق کے حضور میں توبہ کرو اور گئوسالہ پرستی کے بدلے اپنی جانوں کو قتل کرو یہی میں خدا کے نزدیک تمھارے لئے بہتری ہے۔ چنانچہ تمھاری توبہ قبول کر لی گئی اور اللہ بڑا ہی رحمت والا اور رحمت سے درگذر کرنے والا ہے۔

دوسرا پارہ دوسرا رکوع ملاحظہ ہو۔

فَاذْكُرُونِيٓ اَذْكُرْكُمْ الخ

پس (اب) میری یاد میں لگے رہو میں بھی تمھاری طرف سے غافل نہ ہوں گا (یعنی قانونِ الٰہی یہ ہے کہ اگر تم اللہ سے غافل نہ ہو گے تو اللہ کی مدد و نصرت بھی تمھاری طرف سے غافل نہ ہوگی) اور دیکھو! میری نعمتوں کی قدر کرو ایسا نہ کرو کہ کفرانِ نعمت میں مبتلا ہو جاؤ مسلمانو! صبر اور نماز (کی معنوی قوتوں) سے سہارا پکڑو یقین کرو اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہو جاتے ہیں تو یہ مت کہو کہ مردے ہیں۔ نہیں وہ تو زندہ ہیں لیکن تم ان کی زندگی کا شعور نہیں رکھتے اور یاد رکھو! یہ ضرور ہونا ہے کہ ہم تمھارا امتحان لیں۔ خطرات کا خوف، بھوک کی تکلیف، مال و جان کا نقصان، پیداوار کی تباہی۔ یہ دو آزمائشیں ہیں جو تمھیں پیش آئیں گی پھر جو لوگ صبر کرنے والے ہیں انھیں

(فتح وکامرانی کی) بشارت دے دو۔

سورۂ بقرہ کی آخری آیت

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا الخ

اللہ کسی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالتا ہر جان کے لئے وہی ہے جیسی کچھ اس کی کمائی ہے جو کچھ اسے پانا ہے وہ بھی اس کی کمائی سے ہے اور جس کے لئے اسے جواب دہ ہونا ہے۔ وہ بھی اس کی کمائی ہے (پس ایمان والوں کی صدائے حال یہ ہوتی ہے کہ) خدایا! اگر ہم سے سعی وعمل میں بھول چوک ہوجائے تو اس کے لئے نہ پکڑیو اور ہمیں بخش دیجیو! خدایا ہم پر بندھنوں اور گرفتاریوں کا بوجھ نہ ڈالیو جیسا کہ ان لوگوں پر ڈالا تھا جو ہم سے پہلے گذر چکے ہیں۔ خدایا! ایسا بوجھ ہم سے نہ اٹھوائیو جس کے اٹھانے کی ہم (ناتوانوں) میں سکت نہ ہو۔ خدایا! ہم سے درگذر کر! خدا! ہم پر رحم کر! خدایا تو ہی ہمارا مالک وآقا ہے پس ان (ظالموں) کے مقابلے میں جن کا گروہ کفر کا گروہ ہے ہماری مدد فرما!

صد افسوس کہ دورِ حاضر کے چند قابلِ ذکر مترجم شخصیتوں کے تراجم نہیں مل سکے ورنہ ان کے نمونے بھی پیش کئے جاتے۔

ادارہ ندوۃ المصنفین دہلی کے

قواعد وضوابط اور فہرست کتب

مفت طلب فرمائیے۔

مینیجر ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی

شیخ الرئیس بوعلی سینا

اور

مرضِ عشق

از حکیم محمد عطاء الرحمٰن سیوانی ندوی ۔ بی یو۔ ٹی ۔ ایس (علیگ)
لٹریری ریسرچ یونٹ ۔ اجمل خاں طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ہر زمانہ کے شعراء نے اپنے اپنے دور میں عشق کو پر کیف و پر مسرت اور حزن و ملال کے ایک سلسلۂ لامتناہی کی شکل میں پیش کیا ہے ۔ جس کی تفصیل اُردو فارسی کی کسی بھی تاریخ و ادب کی کتاب میں تلاش کی جاسکتی ہے ۔ رومانیت پسند شعراء تو یہاں تک کہہ گئے ہیں ۔

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ ایک آگ سی ہے سینہ کے اندر لگی ہوئی

لیکن عموماً لوگ مرحلۂ عشق کے صحیح راہ رو نہیں ہوتے بلکہ محض خیالی طور پر اپنے آپ کو " یکے از عشاق نامراد " ظاہر کرتے ہیں جیسا کہ عراقی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے ۔

عاشق کہ شد کہ یار بہ حالش نظر کند اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

غرض عشق دو ہی ٹھہرے ایک وہ جسے " اہل نظر " " حقیقی " اور " صادق " کہتے ہیں اور دوسرا وہ جو عام طور پر " لوگوں کو ہو جاتا ہے " اور عموماً اسی دوسری قسم کو عشق کا مصداق سمجھا جاتا ہے لیکن جیسا کہ عراقی نے کہا ہے اس نام نہاد عشق کا بھی علاج ہے ہر چند کہ یہ بات رومانیت پسند طبائع کے لئے مضحک ہو مگر یہ فرض بھی وہی انجام دیتا ہے جو زکام سے لے کر

کینسر (Cancer) تک کا علاج کرتا ہے، کیوں کہ طبیب نفسیات (Sychology) کا ماہر ہوتا ہے وہ جانتا ہے کہ عشق کے واردات "قلب پر وارد نہیں ہوتے" بلکہ دماغ سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کے اعصاب میں چند پُر اسرار اور ناقابلِ تشریح و توضیح ہیجانات پیدا کر دیتے ہیں۔ بقولِ شاعر

بلبل کے کاروبار پہ ہے خندہ ہائے گل — کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

اسلامی یونانی طب میں اس مرض کا بحیثیت طبی مرض کے قدیم ترین حوالہ طبری کی "فردوس الحکمۃ" میں ملتا ہے۔ شاید ابوالحسن علی بن ابن الطبری سے پہلے اسلامی دور کے اطباء یونانی نے بھی اس سے تعرض کیا ہوگا مگر بدقسمتی سے ان کی تصانیف ہماری دسترس میں نہیں ہیں۔ طبری نے لکھا ہے۔

وبلغنا ان بعض ابناء الملوك الروم عشق امرأةً من نساء ابيه فجعل يذوب بدنه من حبّها حتى سقط ولم يكن لابيه غيره فجمع الاطبّاء لعلاجه وعالجوه فلم يقفوا عليه الى ان اتاه شيخ من العلماء فجسّ عرقه فبينما العرق في يده اذ مرّت به امرأة فاضطربت العروق وتتابعت فلما رأى الطبيب ذلك أمسك ساعة ثم جسّ العرق ثانية وأمر ان يُسمّى كل انثى في دارهم فلما سمّوا تلك المرأة التي كان يعشقها اضطرب

ہمیں یہ حکایت پہنچی ہے کہ روم کے کسی شاہزادے کو اپنے باپ کی عورتوں میں سے کسی کے ساتھ عشق ہوگیا تھا۔ اس کی محبت میں اس کا بدن گھلا جا رہا تھا، یہاں تک کہ وہ بالکل لاغر و نحیف ہوگیا۔ اس کے باپ کا اس کے سوا اور کوئی بیٹا نہیں تھا، لہذا اس نے اطباء ملک کو اس کے علاج کے لئے مامور کیا اور انھوں نے اس کا علاج بھی کیا مگر کامیاب نہیں ہو سکے آخر ایک پیر سال خوردہ عالم (طبیب) اس کے دربار میں آیا اس نے شاہزادے کی نبض دیکھی جب وہ نبض پر ہاتھ رکھے ہوئے تھا تو ایک عورت وہاں سے گذری جس سے اس کی رگ

العرق ايضاً وتتابع فلم يثبت
ان علته العشق لها، فاتى الملك
فاخبره ان لا علاج له الا فى شيء
لا يقدر عليه، فقال ان كان ذلك
مما يوجد ليشطر ما املكه فهو
موجود، فقال لو اتى ذلك على بعض
اهلك قال نعم فاخذ الامان
لابنه ولنفسه ثم اعلمه ان شفاؤه
فى تزويجه تلك المرأة فسرّ الملك
بذلك وجمع بينهما وبرئ ابنه[1]

نبض پھڑکنے لگی، جب طبیب نے دیکھا تو کچھ دیر کے لئے رک گیا، پھر دوبارہ نبض دیکھی اور حکم دیا کہ محل کی جملہ خواتین کے نام بار بار لئے جائیں جب مریض شاہزادے نے اس عورت کا نام سنا جس سے اسے عشق تھا تو پھر اس کی نبض بار بار پھڑکنے لگی، اب طبیب کو اس بات میں کوئی شک نہیں رہا کہ وہ اس عورت کے عشق میں مبتلا ہے۔ لہذا وہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسے بتایا کہ اس کا کوئی علاج نہیں ہے صرف ایک علاج جس پر بادشاہ قادر نہیں ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ اس امر خطیر کے بدلے میں اس کی مملکت کا ایک حصہ بھی صرف ہو جائے تو وہ تیار ہے، طبیب نے کہا کہ اگر معاملہ آپ کے کسی اہل خانہ کا ہو؟ بادشاہ نے فرمایا اس کے لئے میں تیار ہوں۔ پس طبیب نے پہلے تو شاہزادے کے لئے اور پھر اپنے لئے بادشاہ سے امان حاصل کی۔ اور پھر عرض کیا کہ اس کی شفا یابی اس عورت کے تزویج پر موقوف ہے، بادشاہ خوش ہو گیا اور دونوں کا وصال کرا دیا۔ اس طرح شاہزادہ تندرست ہو گیا۔

---

[1] ملاحظہ ہو، فردوس الحکمۃ فی الطب۔ تصحیح ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی صفحہ ۳۳۲ س ۹-۲۰ مطبوعہ برلن ۱۹۲۸ء

ممکن ہے طبری کے شاگرد رازی اور اس کے جانشینوں ابوالحسن احمد بن محمد الطبری اور علی بن العباس المجوسی وغیرہ نے بھی اس کو بیان کیا ہو، مگر سب سے زیادہ وضاحت شیخ الرئیس ابو علی سینا نے القانون فی الطب میں کی ہے، "وکل الصید فی جوف الفرا" کے مصداق ہم اسی سے تعرض کر رہے ہیں جیسے اس نے جلد ثالث فن اول مقالہ چہارم فصل فی العشق میں لکھا ہے — پہلے اس "مرض لاعلاج" کی علامتیں تحریر کی ہیں۔

وعلامتہ غور العین ویبسھا
وعدم الدمع الا عند البکاء وحرکتہ
متصلۃ للجفن ضحاکۃ کانہ ینظر
الی شیٔ لذیذ او یسمع خبراً ساراً
او یمزح ویکون نفسہ کثیر الانقطاع
والاسترداد فیکون کثیر الصداع
ویتغیر حالہ الی فرح وضحک او
الی غم وبکاء عند سماع الغزل
ولا سیما عند ذکر الھجر والنوی وتکون
جمیع اعضائہ ذبلۃ خلا العین
فانھا تکون مع غور مقلتھا کبیرۃ الجفن
سمینۃ لسھرہ وتزفرہ المنجر الی
رأسہ ولا یکون لشمائلہ نظام
ویکون نبضہ (ای نبض العاشق)
نبضاً مختلفاً بلا نظام البتۃ کنبض
اصحاب الھموم ویتغیر نبضہ وحالہ

اس کی علامت آنکھوں کا دھنس جانا
اور ان کا خشک ہونا، آنسوؤں کا نہ بہنا سوائے
بکاء وزاری کے وقت، پلکوں کی متصل حرکت
گویا وہ ہنس رہے ہیں، اور گویا مریض کسی
لذت بخش شے کی طرف دیکھ رہا ہے یا کسی
مسرور کن خبر کو سن رہا ہے یا مزاح کر رہا ہے
اس کا سانس بار بار منقطع ہوتا ہے اور پھر
واپس آتا ہے — اسے بہت زیادہ دردِ سر
لاحق رہتا ہے — غزلیات سنتے وقت اس کا
حال متغیر ہو جاتا ہے، کبھی فرحت وہنسی کی
کیفیت طاری ہوتی ہے اور کبھی غم اور گریہ
وزاری کی خصوصاً ہجر اور فراق کی یاد سے۔
اس کے سارے اعضا لاغر ہوتے ہیں سوائے
آنکھوں کے جن کے دھنسنے کے باوجود ان کے
کوئے بڑے ہوتے ہیں، جس کی وجہ اس کی کثرت
بیداری ہوتی ہے۔ اس کی آہیں سر تک جا پہنچی

عند ذكر المعشوق خاصة وعند لقائه بغتة[1]

ہیں، اس کے عادات میں کوئی نظم قائم نہیں رہتا اس کی نبض مختلف اور غیر منتظم ہوتی ہے جس طرح غمگین لوگوں کی ہوتی ہے۔ اس کی نبض اور اس کا حال خاص طور سے معشوق کے ذکر اور اس سے یکایک ملاقات کے وقت متغیر ہو جاتا ہے۔

زاں بعد اس نے اس "عاشق ناشاد" کے معشوق کی دریافت کے لئے ان علامات بالخصوص نبض سے کام لینے کا طریقہ بتایا ہے۔

ويمكن من ذلك ان يستدل على المعشوق انه من هو اذالم يعترف به فان معرفة معشوقه احد سبيل علاجه والحيلة في في ذلك ان يذكر اسماء كثيرة تعاد مرارا ويكون اليد على نبضه فاذا اختلف بذلك اختلافا عظيما وصار شبه المنقطع ثم عاود وجربت ذلك مرارا، علمت انه اسم المعشوق ثم يذكر كذلك السكك والمساكن والحرف والصناعات والنسب والبلدان

ان علامتوں سے اس بات کا امکان ہے کہ اس کے معشوق پر استدلال کیا جا سکے کہ وہ کون ہے۔ جب کہ عاشق خود اس کا نام نہ بتلائے۔ کیوں کہ معشوق کو معلوم کرنا اس کے علاج کا ایک طریقہ ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ مختلف نام بار بار دہرائے جائیں اور طبیب کا ہاتھ مریض کی نبض پر برابر رہے، پس جب نبض کی حالت میں بہت زیادہ اختلاف رونما ہو اور منقطع سی معلوم ہونے لگے اور پھر لوٹ آئے۔ میں نے اس امر کا بارہا تجربہ کیا ہے۔ تو تم جان لوگے کہ اس کے معشوق کا یہی نام ہے (جس کے اوپر مریض کی نبض مختلف ہوگی) پھر

---

[1] ملاحظہ ہو، القانون فی الطب از شیخ بو علی سینا صفحہ ۷۱ مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ

وتضيف كلامنها الى اسم المعشوق ويحفظ النبض حتى اذا كان يتغير عند ذكر شئ واحد مرارا، جمعت من ذلك خواص معشوقه من الاسم والحيلة والحرفة وعرفته[1]

اسی طرح گلی کوچوں، مقامات، مختلف پیشوں، نسبتوں اور شہروں کے نام لئے جائیں (جب صحیح تفصیلات مل جائیں) تو ان میں سے ہر ایک کو معشوق کے نام کے ساتھ ملایا جائے اور اس کی نبض (ذہن میں) محفوظ رکھی جائے یہاں تک کہ ایک ہی شے کے ذکر کرنے سے وہ بار بار متغیر ہو۔ اس طرح تم اس کے معشوق کے حالات کا مثلاً اس کا نام، حلیہ، پیشہ جمع کرلو اور شناخت کرلو۔

یہ صرف شیخ کا قیاس ہی نہیں ہے بلکہ اس کا ذاتی تجربہ بھی ہے، چناں چہ وہ اس "حیلہ" کے بعد لکھتا ہے

فانا قد جربنا هذا واستخرجنا به ما كان فى الوقوف عليه منفعة ثم ان لم تجد علاجا الا تدبير الجمع بينهما على وجه يحله الدين والشريعة فعلت[2]

کیوں کہ ہم نے اس طریقہ کو بارہا آزمایا ہے اور اس کے ذریعہ سے وہ معلومات حاصل کی ہیں جن کی واقفیت منفعت بخش ثابت ہوئی، پھر اگر تم اور کوئی علاج نہ پاسکو سوائے ان کے ازدواج کے جس طور پر کہ وہ ازدواج مذہب اور شریعت میں جائز ہو تو اس کے مطابق عمل کرو (یعنی ان دونوں کی شادی کرادو)

زاں بعد لکھتا ہے

وقد رأينا من عاودته الصحة والقوة وعاد الى لحمه وكان قد

ہم نے ان مریضوں کو بھی دیکھا جن کی اس طریقہ سے سلامتی اور قوت لوٹ آئی اور ان کا

---

[1] ملاحظہ ہو۔ القانون فی الطب صفحہ ۷۱ [2] ایضاً صفحہ ۷۲

بلغ الذبول وجاوزه وقاسى الامراض
الاصعبة المزمنة والحميات الطويلة
بسبب ضعف القوة لشدة العشق
لما حصل بوصل من معشوقه بعد
مطل معاودة فى اقصر مدة
(ایضاً صفحہ ۶۱)

گوشت بھی دوبارہ بدن پر آگیا، حالانکہ وہ لاغری کی حد تک پہنچ کر اس سے تجاوز کر گیا تھا اور بعض نے بڑے سخت اور مزمن امراض جھیلے تھے اور عرصۂ دراز تک بخار میں بھی مبتلا رہا تھا جس کی وجہ عشق کی شدت کے باعث مریض کے اندر ضعفِ قوت تھی، یہ سلامتی مریضِ عشق کو اس وقت حاصل ہوئی جب کہ مدت دراز کے بعد اسے اپنے معشوق کا وصال حاصل ہوا۔ اور یہ سلامتی و تندرستی اتنی قلیل مدت میں اس کو حاصل ہوئی کہ جس سے ہمیں خود بھی تعجب ہوا۔

لیکن بدقسمتی سے شیخ کی عادت مستمرہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے واقعات و تجربات کی زمانی و مکانی طور پر نشان دہی نہیں کرتا، وہ یہ تو کہتا ہے کہ ہم نے "اس کا تجربہ کیا" لیکن یہ نہیں بتاتا کہ کب کیا، کہاں کیا، اور کس کے اوپر کیا؟

خوش قسمتی سے یہ تفصیل نظامی عروضی سمرقندی کے چہار مقالہ کے مقالہ چہارم حکایت پنجم میں موجود ہے۔ وہ شیخ کے جرجان سے فرار اور ریگزار دہستان سے نجات کے بعد جرجان پہنچنے کے ضمن میں لکھتا ہے۔

وابو علی بطوس رفت و بنشابور رسید خلقے را دید کہ ابو علی را می طلبیدند متفکر بگوشہ فرود آمد و روزے چند آنجا ببود وازآنجا روئے بگرگان نہاد کہ قابوس پادشاہ گرگان بود و مردے بزرگ و فاضل دوست و حکیم طبع بود، ابو علی دانست کہ او را آنجا آفتے نرسد چوں بگرگان رسید بکاروان سرائے فرود آمد مگر در ہمسائگی او یکے بیمار شد معالجت کرد، بہ شد بیمارے دیگر را نیز معالجت کرد بہ شد، بامداد قارورہ آوردن گرفتند ابو علی ہمی نگریست و دخلش پدید آمد

درد روز بروز می افزود، روزگارے چنیں می گذاشت مگر یکے از اقربائے قابوس وشمگیر راکہ پادشاہ گرگان بود عارضہ پدید آمد و اطبا بہ معالجت او برخواستند و جہد کردند و جہدے تمام نمودند علت بہ شفا نہ پیوست و قابوس را عظیم در آں دل بستگی بود، تا یکے از خدم قابوس را گفت کہ در فلاں فلاں جوانے آمدہ است عظیم طبیب و بہ غایت مبارک دست و چند کس بر دست او شفا یافت۔ قابوس فرمود کہ او را طلب کنید و بہ سر بیمار برید تا معالجت کند کہ دست از دست مبارک تر بود۔ پس ابو علی را طلب کردند و بہ سر بیمار بردند جوانے دید بہ غایت خوب روئے و متناسب اعضا خط اثر کردہ و زار افتادہ، پس بنشست و نبض او بگرفت و تفسرہ بخواست و بدید، پس گفت مرا مردے می باید کہ غرفات و محلات گرگاں را ہمہ شناسد، بیاوردند و گفتند، اینک۔ ابو علی دست بر نبض بیمار نہاد و گفت بر گوئی و محلتہائے گرگاں را نام بردہ۔ آں کس آغاز کرد و نام محلتہا گفتن گرفت تا رسید بہ محلتے کہ نبض بیمار در آں حالت حرکتے غریب کرد۔ پس ابو علی گفت ازیں محلت کوہا بردہ، آں کس بر داد تا رسید بنام کوئے کہ آں حرکت غریب معاودت کرد۔ پس ابو علی گفت کسے می باید کہ دریں کوئے ہمہ سرائے ہائے را بداند، بیاوردند و سرائے ہا را بر دادن گرفت تا رسید بداں سرائے کہ ایں حرکت باز آمد، ابو علی گفت اکنوں کسے می باید کہ نام ہائے اہل سرائے تمام داند و بر دہد، بیاوردند، بر دادن گرفت تا آمد بنامے کہ ہماں حرکت حادث شد، آں کہ ابو علی گفت "تمام شد" پس روئے بہ معتمدان قابوس کرد و گفت، ایں جوان در فلاں محلت و در فلاں کوئے و در فلاں سرائے بر دختر فلاں فلاں نام عاشق است و داروئے او وصال آں دختر است و معالجت او دیدار او باشد۔ پس بیمار گوش داشتہ بود و ہرچہ خواجہ ابو علی می گفت می شنید، از شرم سر در جامۂ خواب کشید۔ چوں استطلاع کردند ہم چناں کہ خواجہ ابو علی گفتہ بود پس ایں حال را پیش قابوس رفع کردند، قابوس را عظیم آمد و گفت "او را بہ من آرید" خواجہ ابو علی را پیش قابوس بردند و قابوس صورت ابو علی داشت کہ سلطان یمین الدولہ فرستادہ بود،

چوں پیش قابوس آمد گفت، انت ابو علی؟ گفت، "نعم یا ملک معظم" قابوس از تخت فرود آمد و چند گام ابو علی را استقبال کرد و در کنارش گرفت و با او بر یکے نہالی پیش تخت نشست و بزرگی ہا پیوست و نیکو پرسید و گفت۔ "اجل افضل و فیلسوف اکمل کیفیت ایں معالجہ البتہ باز گوید" ابو علی گفت ۔" چوں نبض و تفسرہ بدیدم مرا یقین گشت کہ علت عشق است و از کتمان سر حال بدیں جا رسیدہ است۔ اگر از وے سوال کنم راست نگوید۔ پس دست بر نبض او نہادم نام محلات بگفتند چوں بہ محلت معشوق رسید عشق او را بجنبانید، حرکت بدل شد، دانستم کہ دراں محلت است، بگفتم تا نام کوے ہا بگفتند چوں نام کوے معشوق خویش شنید، ہماں معنی حادث شد نام کوے نیز بدانستم، بفرمودم تا سرائے ہا را نام بردند چوں نام سرائے معشوق رسید ہماں حالت ظاہر شد سرائے نیز بدانستم بگفتم تا نام ہمہ اہل سرائے بردند چوں نام معشوق خود بشنید بہ غایت متغیر شد، معشوق را نیز بدانستم، پس بدو گفتم وا و منکر نہ توانست شدن مقر آمد"

قابوس ازیں معالجت شگفتی بسیار نمود و متعجب بماند، والحق جائے تعجب بود، پس گفت "یا اجل افضل اکمل، عاشق و معشوق ہر دو خواہر زادگان من اند و خالہ زادگان یکدیگر، اختیارے بکن تا عقد ایشاں بکنم"۔ پس خواجہ ابو علی اختیارے پسندیدہ بکرد و آں عقد بکردند، و عاشق و معشوق را بہم پیوستند، و آں جوان پادشاہ زادہ خوب صورت ازچناں رنجے کہ بمرگ تردیک بود برست۔[1]

غرض شیخ کا جرجان پہنچنا مسلم ہے، چناں چہ آقائے سعید نفیسی نے لکھا ہے۔

"در گرگان ابن سینا حتماً با خاندان قابوس روابطے بہم زدہ است، چناں کہ در سالتے در عرض گرگان برائے نذریں گمیس دختر قابوس نوشتہ است کہ ابو الریحان البیرونی ان ان یاد کردہ است۔"[2]

بلکہ خود شیخ اپنی سوانح عمری میں اس بات کا معترف ہے اور لکھتا ہے۔

---

[1] قزوینی: تعلیقات چہار مقالہ (مرتبہ ڈاکٹر معین)، صفحہ ۱۲۱-۲۲-۱۲۳

[2] سعید نفیسی: پور سینا صفحہ ۷۶ (نیز قزوینی تعلیقات چہار مقالہ صفحہ ۴۳۵-۴۳۶ ملاحظہ ہو)

"ثم دعت الضرورة الی الانتقال الی نسا و منها الی جرجان وکان قصدی الأمیر قابوس فاتفق ... موته ـ ثم مضیت الی دهستان ومرضت بها مرضاً صعباً وعدت الی جرجان"[1]

پھر ضرورت میرے نسا کی طرف جانے کی مقتضی ہوئی اور وہاں سے جرجان جانے کے لئے۔ میرا ارادہ امیر قابوس سے ملاقات کا تھا مگر (اس اثنا میں) اس کی موت واقع ہوگئی پھر میں دہستان چلا گیا جہاں ایک سخت مرض میں مبتلا ہوگیا اور پھر جرجان واپس آیا۔

مگر چہار مقالہ کے فاضل ایڈیٹر محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے اس پوری حکایت کو قابل التفات نہیں سمجھا بلکہ اسے "بڑھا بھی دیتے ہیں کچھ زیب داستاں کے لئے" کے مصداق مصنف (نظامی عروضی) کی اختراع قرار دیا ہے اور اس کی صحت پر اپنے شک کا بدیں طور اظہار کیا ہے۔

"صدق و صحت این حکایت بعینہا بہ تحقیق نہ پیوستہ"[2]

اور اس شک کی تائید میں تین دلیلیں دی ہیں جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ فضلائے ایران میں سے آقائے سعید نفیسی کا بھی کچھ ایسا ہی خیال ہے چنانچہ انھوں نے لکھا ہے۔

"داستانے کہ دربارۂ ابن سینا و محمود غزنوی رواج بسیار دارد یکی ساختگی و نادرست است"[3]

محققین یورپ میں سے زخائو Sachau بھی جس نے البیرونی کی "الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ" کو ایڈٹ کیا ہے۔ اس حکایت کی صحت کا منکر ہے۔ اس کے دلائل انکار اور ان پر تبصرہ بھی آگے آرہا ہے۔

---

[1] عیون الانباء جلد ۲ صفحہ ۴

[2] قزوینی : تعلیقات چہار مقالہ صفحہ ۲۴۲ س ۲۳ ملاحظہ ہو

[3] سعید نفیسی : پور سینا صفحہ ۱۵۲

لیکن یورپی فضلاء ہوں یا ایرانی ادبا، دونوں کے دلائل یکسر ضعیف ہیں اور ایسا اندیشہ ہوتا ہے کہ اس عہد کی تاریخ ایران سے سطحی واقفیت کا نتیجہ ہیں۔

اس عاجز کے خیال میں یہ شکوک و شبہات قطعاً بے بنیاد ہیں، چنانچہ بعد کے مؤرخین نے جنھیں اس حکایت کی تنقید کے لئے عہد حاضر کے محققین سے کہیں زیادہ مواقع حاصل تھے اسے اس طور پر نقل کیا ہے گویا انھیں اس کی صحت میں کوئی شک نہیں ہے اور وہ اسے ایک واقعہ نفس الامری سمجھتے ہیں۔ مثال کے طور پر قاضی احمد غفاری نے "تاریخ جہان آرا" میں اور خواندمیر نے "حبیب السیر" میں شیخ بوعلی سینا کے سلسلہ میں اس واقعہ کو بغیر کسی تنقید کے نقل کیا ہے۔ بلکہ صاحب حبیب السیر تو اس کی حتمی طور پر صحت کے قائل ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں۔

"بہ صحت پیوستہ کہ دراں آوان کہ کوکب دولت سلطان محمود غزنوی بدرجۂ استقلال رسید بعضے از اہلِ شر و فساد بہ عرض رسانیدند کہ شیخ ابو علی بد مذہب است، سلطان محمود از غایت عصبیت قصدِ شیخ فرمودہ، ابوالفضل حسن بن میکال را نزدِ خوارزم شاہ ارسال داشت و پیغام داد کہ چناں معلوم شد کہ دراں دیار جمعے از فاضل عدیم المثل توطن دارند باید کہ ایشاں را بہ پایہ سریر اعلیٰ فرستی، ابو ریحان و ابوالخیر ملازمت سلطان اختیار کردند و ابوعلی و ابوسہل بہ تعجیل از خوارزم بیروں آمدہ راہ فرار پیش گرفتند و در بیابانے کہ میانِ خوارزم و ابیورد است سرگردانی بسیار کشیدہ، ابوسہل دراں صحرا از دفور تشنگی و گرما فوت شد و ابوعلی بدحال و بیمار بہ ابیورد رسید و از آں جا با استو و از استو بہ جرجان رفت"[1]

عہد حاضر میں محققین یورپ کے اندر الیٹ Elliot[2] نے اور ہندوستان میں پروفیسر

---

[1] خواندمیر: حبیب السیر جلد ۲ صفحہ ۴۴۴ (تہران ۱۳۳۳ شمسی)

[2] ملاحظہ ہو Elliot and Dawson. History of India (1964) 3

محمد حبیب[۱] نے بھی اسی طرح اس واقعہ کو صحیح تسلیم کیا ہے۔

اب رہا ناقدین کا شک تو اس کی تفصیل یہ ہے۔

قزوینی نے اس حکایت کی صحت سے مزید انکار ابوریحان البیرونی کے غزنی جانے کے سلسلے میں کیا ہے اور حسب ذیل دلائل اپنے انکار کے سلسلہ میں دئیے ہیں۔

(الف) اما ایں کہ نظامی عروضی ابونصر بن عراق را برادر زادۂ خوارزم شاہ دانستہ است، از ملاحظہ نسب ہر دو معلوم می شود کہ باطل است۔ چہ خوارزم شاہ ابوالعباس مامون بن مامون بن محمد است و صاحب ترجمہ منصور بن علی بن عراق و شاید نسبتے دیگر بین ایشاں بودہ است، واللہ اعلم"[۲]

(ب) "آنچہ دریں حکایت متعلق بہ ملاقات ابوعلی با امیر قابوس است باید مجعول و بے اصل باشد"[۳]

(ج) "مصنف را دریں فقرہ دو سہو واضح دست دادہ است، یکے آں کہ وزارت ابوعلی سینا را در رے فرض کردہ وحالاں کہ در ہمدان بودہ است۔ دیگرے آں کہ ابوعلی را وزیر علاء الدولہ دانستہ وحالانکہ ہیچ وقت وزارت علاء الدولہ را نہ نمودہ"[۴]

مگر یہ دلائل کچھ زیادہ وقیع نہیں ہیں کیوں کہ

(الف) قزوینی کی پہلی دلیل پر تبصرہ کرنے سے قبل اس تلخ حقیقت کی جانب بھی متوجہ کرنا ضروری ہے کہ باوجود ان کی سنجیدگی و متانت کے اس حکایت پر تعلیقات قلمبند کرتے وقت وطنی عصبیت سے وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے جس کے نتیجہ

---

۱ ملاحظہ ہو Mahmud of Gazna By Late Professor M Habib

۲ قزوینی، تعلیقات چہار مقالہ صفحہ ۲۲۲ (مرتبہ ڈاکٹر معین)

۳ قزوینی: تعلیقات چہار مقالہ صفحہ ۲۳۳ (مرتبہ ڈاکٹر معین)

۴ 〃 〃 〃 صفحہ ۲۳۴ (〃 〃)